ادبی بیانیے میں سماجی بیداری کی تلاش: اشک، عورت اور عنکبوت کے حوالے سے

سائرہ بشیر
پی ایچ ڈی سکالر شعبہ اردو
شہید بے نظیر بھٹو ویمن یونیورسٹی پشاور
ڈاکٹر بسمینہ
ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو
صاحب بے نظیر بھٹو ویمن یونیورسٹی پشاور

Abstract: Ashq ,Aurt or Ankabot is Gul Arbab's first novel, the subject of which is social issues, including love, hatred, greed, self-sacrifice, and the rewards of action. While moving forward with the important events of the story, the author conveyed several messages to the readers. The important messages are that if a person sows thorns, then those flowers cannot become his destiny, and many problems of society can be solved with positive thinking and thinking.The most important of which is greed. A person can never be happy and satisfied by harming others for his own benefit. This novel also shows that if a person inherits some things in human nature from his parents, then he also gets some things from the environment and upbringing.It is not necessary that the children of a bad man are bad and the children of a good man are good. Time, environment, and circumstances have many positive and negative effects on a person.

Keywords. Ashq, Aurt, Ankabot, Harming. Upbringing. Greed, Environment, Necessary

خیبر پختونخواہ کی سرزمین ہمیشہ ادب کی زمین رہی ہے۔اس سرزمین نے بڑے بڑے شاعر، ناول نگار، صحافی، ڈرامہ نگار، افسانہ نگار، کالم نگار، وغیرہ پیدا کیے ہیں۔گل ارباب بھی اس سرزمین پر کھلنے والے پھول کی طرح ہیں۔انہوں نے ناول نگاری میں نام کمایا۔ان کے ناولوں کا معاشرے سے قریبی ربط اور تعلق پایا جاتا ہے۔ خصوصاً خیبر پختونخواہ کی تہذیبی ہستی، چال چلن، روایات، اقتدار احساسات، جذبات اور حالات اور واقعات کا پورا احاطہ لیے ہوئے ہیں۔

گل ارباب کے ناول عشق، عورت اور عنکبوت کی سب سے نمایاں خوبی ان کی زبان کے سادگی مٹھاس اور بے ساختگی ہے۔ہر واقعہ دلکش شگفتہ انداز میں شروع ہو کر اپنی دلکش اور چاشنی جاذب توجہ بنتی چلی جاتی ہے۔سادگی، سلاست اور خوبصورت تراکیب کے ساتھ ساتھ روزمرہ اور محاورے کا خوبصورتی سے اس قدر خیال رکھا گیا ہے کہ اس وسیلے سے معاشرے کی سماجی مسائل سے پوری طرح آشنا ہو سکتے ہیں۔گفتگو اور مکالمے قلم بند کرتے وقت حفظ مراتب کا پورا پورا لحاظ رکھنے میں ناول نگار نے کمال فن کا مظاہرہ کیا ہے۔موقع محل کا یہ خیال انہیں امتیازی شان عطا کرتا ہے۔ناول نگار نے ہر مقام پر جزیات نگاری سے کام لیا ہے اور قارین کے لیے ابلاغ کا مسئلہ پیدا ہونے سے گریز کیا ہے۔تہذیب و معاشرت اور اقتدار کی پوری نمائندگی کا حق ادا کر کے اس ناول کو خوبصورت بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔آنسو بہانا غم اور دکھ کی گھڑی میں مستی اور حوصلہ دینا ظلم و جبر کے ساتھ مکافات عمل کا بار بار دکھانا۔قربانی کا جذبہ، محبت، نفرت، استحصال وغیرہ کا ایسا لفظی نقشہ کھینچا ہے کہ پڑھنے والے کے ذہن میں ایسے واقعات کی فلم چلتی محسوس ہوتی ہے۔اس ناول کی بڑی خوبی اخلاقیات کا درس ہے۔موقع کی مناسبت سے ناول نگار نے اخلاقیات پر درس کے ذریعے قارئین میں اعلی اخلاق کی اقدار کی آبیاری کے ہر موقع سے معقول فائدہ اٹھانے کی سعی کی ہے۔ناول نگار امجد جاوید گل ارباب کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"عورت مرد کی کہانی محبت اور نفرت کی کہانی۔۔۔۔۔وفا اور بے وفائی کی کہانی انتقام اور بدلے کی کہانی دیوان کی اور فرزانگی کی کہانی لیکن کہانی سے قاری کا ملاپ یوں کرانا کہ پڑھنے والے کا دل کہانی کے کرداروں کے ساتھ دھڑکنے لگے۔۔۔۔۔کرداروں کے آنسو قاری کی آنکھوں سے بہنے لگے۔کرداروں کے مابین موجود محبت پڑھنے والے کے سینے میں دھڑکنے لگے گدگداتے الفاظ سے کشیدہ شدہ بے ساختہ مسکراہٹ قاری کے لبوں پر سج جائے۔کیونکہ کردار خوش ہیں اور ان کی خوشی پڑھنے والے کے رگ وپے میں منتقل ہو رہی ہے۔۔۔۔۔یہ یہی تو ہنر ہے کہ ایک سچے لکھاری کا کہ پڑھنے والے کی ساری منتشر حیات صفحِ کرتاز پر مشتمع کر دے اپنی تحریر کے سحر سے اور یہ ہی ہنر گل کو اپنی ہم عصر خواتین لکھاریوں میں ممتاز کرتا ہے"(۱)

عشق، عورت اور عنکبوت خالص سماجی ناول ہے۔جس میں سماج کے مختلف رویوں کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے۔گھریلو مسائل معاشی مسائل، لالچ اور خود غرضی، مطلب پرستی، محبت اور نفرت، ظلم وستم، تہذیب واقدار مکافات عمل اور معاشرتی طور طریقے اور اس کے رشتوں کا تقدس وفاداری اور

بے وفائی محبت میں کامیابی اور ناکامی کے اسباب حوصلہ ہمت تسلی دکھی انسانیت سے ہمدردی حسن پرستی اور ستائش انا اور غیرت اس قسم کے سماجی مسائلوں کو عشق، عورت اور عنکبوت میں بڑی شگفتگی سے اجاگر کرنے کی جسارت کی گئی ہے۔ عشق، عورت اور عنکبوت کے تمام کردار معاشرے کے چنے ہوئے کردار ہیں۔ سارا اس ناول کا مرکزی کردار ہے۔ انتہائی باتونی کردار ہے۔ تہذیب یافتہ ہے۔ سلیقہ مند ہے۔ اس کی اصل ماں مومل ہے۔ لیکن اس کی پرورش مومل کی چچازادی شگفتہ نے کی۔ سارا کے والد دل کے مریض تھے۔ امیر اور دولت مند تھے۔ مومل نے اس کی دولت اور امارت دیکھ کر اس سے خفیہ شادی کی۔ لیکن بچی کے پیدا ہونے سے پہلے ظہیر الدین خان فوت ہو جاتے ہیں۔ وصیت میں یہ شرط وکیل کو لکھ کر دیتے ہیں کہ میری بچی اور بیوی کو اس صورت میں حصہ دیا جائے۔ اگر میری بیوی میرے بھائی عزیز احمد خان سے نکاح کے لیے راضی ہو تب انہیں دولت میں آدھا حصہ ملے گا۔ سارا کی زندگی درد و غم اور خوشی کا مرقع ہے۔ ڈاکٹروں سے نفرت کرتی ہے۔ مومل نے شگفتہ کو قربانی کا بکرا بنا کر اس کی شادی عزیز احمد خان سے کر دی اور دولت خود حاصل کر لی۔

گل ارباب کے ناول عشق، عورت اور عنکبوت کے حوالے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ان کے چنے ہوئے منتخب کردار معاشرے کے کردار معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے کرداروں کا اٹھنا، بیٹھنا، چال چلن، رکھ رکھاطور طریقے پشتون معاشرے کی بھرپور عکاسی کر رہے ہیں۔ کردار زندہ کردار ہے اور ان کے مکالمے میں بھی پختگی اور برجستگی کے گلدستے ہیں۔

"عشق، عورت اور عنکبوت محبت اور نفرت کے درمیان کے حصے کی داستان ہے۔ سارا جو ڈاکٹر سے نفرت کرتی ہیں مگر کہانی کے اختتام پر ایک ڈاکٹر ہی اس کے دل کا مکین بن جاتا ہے۔ ڈاکٹر ولید حسن جیسے باتونی لڑکیاں ناپسند ہے۔ لیکن ایک باتونی لڑکی کو ہی اپنا دل دے بیٹھتا ہے۔ یہ نفرت سے محبت تک کا سفر اتنا خوبصورت ہے کہ قاری گل ارباب کے ان کرداروں کے ساتھ جینے لگتا ہے۔ ان کے آنسو اپنے لگتے ہیں تو ان قہقہے بھی اپنے لگتے ہیں"(۲)

اس مختصر عبارت میں تنقید بھی ہے اور تحسین بھی داستان کا ذکر کر کے قارئین کو چونکا دینے والی حقیقت سے آشنا کر دیا۔ چونکہ داستان میں مافوق الفطرت عناصر کار فرما ہوا کرتے ہیں۔ اس لیے ان کا پلاٹ اکثر ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہتا ہے۔ عشق، عورت اور عنکبوت میں بھی اکثر ایسا محسوس ہوا ہے۔

اردو ناول اپنے مزاج کے مطابق چند نمایاں موضوعات کے گرد گھومتی رہی ہے۔ کیونکہ ناول بنیادی طور پر واردات عشق کا پیدا کردہ ہے۔ اردو ناول کی تاریخ پر نظر ڈالنے کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ اپنے ارتقا کے ہر دور میں یہ ان مضامین اور موضوعات کے حصار سے باہر نہیں نکل سکی ہے۔ البتہ تمدنی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ناول کے تمدن میں بھی فرق آتا رہا ہے۔ اکیسوی صدی کا ناول اور بیسویں صدی کے آخری دو عشروں کے ناول نے بنیادی موضوعات سے یکسر انحراف تو نہیں کیا۔ البتہ ان کے اندر نئی روشنیوں کے چراغ ضرور روشن کیے ہیں۔ جن کا تعلق انسان کے پیچیدہ تر نفسیات اور عہد کے گنجلک مسائل سے براہ راست بنتا ہے۔ خیبر پختون خواہ کے ناول نگاروں کے ہاں اردو ناول کی تہذیب کی شکست و ریخت کا المیہ بڑی شدت کے

ساتھ نمایاں ہے۔ ان کا ذہنی افق ایک طرف روایات میں الجھا رہا تو دوسری جانب تبدیلیوں کی قیامت نے تہذیبی رونقوں کی شکل میں ان پر ٹوٹتی رہی ۔ چنانچہ یہ خیال یہ رنگ ان کے ناولوں میں نئے موضوعات وسطوں کے ساتھ سامنے آتا رہا۔

معاشرے میں جب دکھی انسانیت کے علمبر دار فرائض منصبی میں کوتاہی اور لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ تو سماج میں بہت سی پیچیدگیاں جنم لیتی ہے۔ جذبے سرد ہو جاتے ہیں۔ اعتماد برباد ہو جاتے ہیں۔ نفسیاتی امراض سر اٹھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ نفرت جنم لیتی ہے۔ اس قسم کے رویے کا شکار ناول عشق، عورت اور عنکبوت کا مرکزی کردار سارا بھی ہو جاتی ہے۔ بچپن سے لے کر جوانی تک اور پھر شادی کی دہلیز تک لمحہ بہ لمحہ وہ ڈاکٹروں اور نرسوں سے نفرت کا اظہار کرتی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک ڈاکٹر جس کا نام ولید حسن ہے۔ اس سے شادی بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کی نفرت کم نہیں ہوتی اور جب اس کی فرضی والدہ شگفتہ ہسپتال میں زیر علاج ہوتی ہیں۔ تو وہ ڈاکٹروں اور نرسوں کو شک کی نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ ڈاکٹر پوری دیانت دارانہ وابستگی کے ساتھ شگفتہ کا علاج بھی کرتے ہیں اور بھرپور خیال بھی رکھے ہوئے ہیں اور اس کی خاص توجہ کا ذریعہ اور محرک ڈاکٹر ولید حسن اور ڈاکٹر ابراہیم تھے۔ رفتہ رفتہ سارا کے دل میں ڈاکٹر کا خوف ختم ہو جاتا ہے اور پھر وہ خود اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ آپ لوگوں نے میری والدہ کی جس طرح خدمت کی ہے۔ اس کو دیکھ کر میرے دل میں موجود نفرت محبت میں تبدیل ہو گئی ہے اور ناول کے آخر میں وہ ڈاکٹر ولید حسن سے اپنی محبت کا اظہار کر لیتی ہے۔

ناول ہو، افسانہ ہو، ڈرامہ ہو، شاعری ہو، الغرض ادب کی تخلیق کا مقصد یہی سماجی عوامل کی ترجمانی ہوتا ہے۔ ادب اور سماج کا رشتہ ابتدائی آفرینش سے ہے۔ حضرت آدم وحوا کے مابین جنت میں جو باتیں ہوئی وہ بھی ادب تھا۔

حضرت آدم کے بیٹوں ہابیل و قابیل کے درمیان جو کچھ ہوا۔ وہ بھی اسی سماج کا عمل تھا۔ نفرت ہو، محبت ہو، لین دین، نفع ونقصان ان تمام عوامل میں انسانی جذبات اور احساسات کو خوبصورت لفظوں کو جامہ پہنایا جاتا ہے اور وہ ادب ہے۔ سید احتشام حسین لکھتے ہیں۔

"ادب اپنی بنیادی حیثیت میں انفرادی نہیں سماجی ہے۔ جیسے سماج کے بہت سے عمل افراد کے ہاتھوں انجام پاتے ہیں لیکن اپنی نوعیت میں سماجی ہوتے ہیں۔ اس طرح ادب کا ایک اہم پہلو اس کا سماجی مواد اور موضوع ہے "(۳)

پروفیسر احتشام حسین کی رائے کے مطابق ادب کی تخلیق زمینی ہے۔ خلاؤں میں ادب تخلیق نہیں کیا جاتا ہے۔ اس کا تعلق سماج سے ہے اور تخلیق کار اسی سماج کا ایک فرد ہی ہوتا ہے۔ جو کچھ وہ دیکھتا ہے، سنتا ہے، محسوس کرتا ہے۔ اس پر اپنے رد عمل کا ضرور اظہار کرتا ہے۔ گل ارباب کا ناول بھی سماج سے تعلق رکھتا ہے۔ مختلف شکلوں پرتوں اور سورتوں میں زاویے بدل بدل کر سماجی حوالوں کا بھرپور انعکاس اس ناول کی خوبیوں میں اضافہ کرتا ہے ۔ عشق، عورت اور عنکبوت معاشرتی ناہمواریوں پیچیدگیوں اور سماجی مسائل کا ترجمان ہے۔ مختلف پیراوں میں ناول نگار نے سماجی مسائل کو اجاگر کرنے کی جسارت کی ہے۔

سماج میں جب دکھی انسانیت کے دعویدار فرائض منصبی میں کوتاہی اور لاپرواہی کے مرتکب ہوتے ہیں تو اس سے نہ صرف مریض متاثر ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے جڑے ہوئے لوگ اور رشتے بھی نفرت اور بیزاری کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔ گل ارباب نے عشق، عورت اور عنکبوت میں اس قسم کے حوالوں سے ناول کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ تو دوسری طرف سماج کے اس اہم مسئلے پر بھی قارین کو نقطہ چینی کی دعوت فراہم کی ہے۔

"ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹرز نے چیک اپ کے بعد کہا کہ ای سی جی ایکو اور ٹیسٹ وغیرہ سب بلڈ پریشر بالکل ٹھیک ہے بی پی نارمل ہی ہے اور یہ دل کا مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ معدے کی تیزابیت کا مسئلہ ہے۔ گیس کی دوائی اور معدے کے درد کے لیے چند دوائیں دے کر انہیں واپس گھر بھیج دیا گیا تھا۔ سب مطمئن ہو چکے تھے کہ خطرے والی کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن رات بھر وہ درد کی شکایت کرتے رہے۔ ایک وقت آیا کہ انہیں سینے کے ساتھ بازو میں بھی شدید درد شروع ہو گیا۔ اس قدر شدید درد اور کھنچاؤ تھا کہ بازو ہلانا بھی مشکل ہو گیا تھا"(۴)

سارا کی عمر اس وقت ۱۲ سال تھی۔ چھٹی جماعت میں پڑھ رہی تھی۔ ماں کی بے قراری اور پریشانی جب کہ والد کی وہ شدید تکلیف اس کے دماغ میں یہ دو منظر جم کر بیٹھ گئے تھے۔ ڈاکٹر کی رائے اور ماں کی تسلی ڈاکٹر سمجھتے ہیں کہ بہت معمولی مسئلہ ہی ہے اور والد کا تکلیف چھپانے کے لیے دانتوں سے ہونٹ کاٹنا جس سے ان کے ہونٹ سے خون نکلنے لگا تھا اور پھر جب صبح ہوئی تو اس کے والد اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ سارا کے دل میں ڈاکٹروں سے نفرت نے جنم لیا۔ وہ نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہو گئی تھی۔ ماں نے اس کی بیماری کو چھپایا ہوا تھا۔ لیکن کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ جنہیں ہم اپنے پیاروں سے سات پردوں میں بھی چھپانے کی صلاحیت خود میں نہیں پاسکتے۔ سارا کو ایک ایسا روگ لگ چکا تھا کہ اس کے سامنے اس کی والدہ شگفتہ بھی بے بس ہو گئی تھی ۔ اس طرح وقت کے ساتھ ساتھ سارا کے دل میں ڈاکٹروں سے نفرت کی نفسیاتی الجھاؤ میں اضافہ ہوتا گیا۔ سارا اگر بیمار بھی ہوتی تو دوائی لینے سے ڈرتی تھی۔ ڈاکٹر کے پاس جانا تو دور کی بات تھی۔

" آپ کیسی ماں ہے کہ آپ کی بیٹی ٹائفائڈ کا شکار ہے اور آپ اس حالت میں سکول بھیج رہے ہیں۔ جبکہ ٹائیفائڈ ایک دن میں نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس کی حالت اور ٹیسٹ کی رپورٹ میں لکھا ہوا ہے کہ اس سے کم از کم چار سے چھ دن ہو چکے ہیں کہ بخار ہو رہا ہے۔ مجھے لگتا ہے۔۔۔۔۔۔ آپ اس بچے کی سوتیلی ماں ہے؟ اگر واقعی ایسا ہے۔ تو اس بچی پر رحم کرے پلیز! اسے انسان سمجھ کر انسانوں کے بچوں والی توجہ دے"(۵)

محولہ بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ سارا کے معاملے میں اس کی والدہ بھی بے بس اور لاچار ہو چکی تھی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ بیٹی کو سمجھ سکے۔ بیٹی باپ کی جدائی میں زندگی کی حرارتوں سے محروم ہو چکی تھی۔ ڈاکٹروں سے نفسیاتی طور پر الجھاؤ کا شکار ہو چکی تھی۔ سارا کی والدہ شگفتہ شرمندہ تھی۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ مجھے اس حالت میں بچے کو سکول نہیں بھیجنا چاہیے تھا۔ لیکن وہ کیا کرتی وہ خود احساس کمتری کا شکار ہو چکی تھی اور دنیا میں اکیلے رہ کر در در کی ٹوکریں کھانے پر مجبور خاتون تھی۔ اندر ہی اندر تڑپ رہی تھی۔ ماں اپنی بیٹی سے اور بیٹی اپنی ماں سے اپنے احساسات اور جذبات لاکھ چھپانے کی کوشش کرتے رہیں۔ تھے۔ رہی ادب کا کمال ہے۔

چونکہ ادیب سماج کا ایک باشعور فرد ہوتا ہے۔ اس کی دور بین نگاہیں سماج کی خوبیوں اور خامیوں کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ اسی لیے ادیب اور سماج کے درمیان ہماوقت ایک تصادم کی کیفیت رہتی ہے۔ گل ارباب کا تعلق چونکہ پختون خواہ سے ہے اور یہ خطہ سماجی ناہمواریوں تہذیبی الجھنو اور رسم و رواج کی بے جائے پاسداریوں کے حوالے سے اپنی الگ تاریخ رکھتی ہے۔ اس لیے انہوں نے عشق، عورت اور عنکبوت میں سماجی خوبیوں اور خامیوں کو بیان کرنے کی بھرپور جستجو کی ہے۔

گل ارباب نے انسانی نفسیات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حسن وعشق کی وارداتوں اور طلسماتی حکایتوں میں بھی انہیں زندگی کی حقیقتوں کی آئینہ داری نظر آتی ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ طبقاتی کشمکش سے سماج میں طرح طرح کی خامیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک طبقہ دوسرے طبقے کا خون چوستا ہے۔ اپنے وجود کو تادیر قائم نہیں رکھ سکتا۔ محکوم اپنی زنجیروں کو توڑنے کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ اس سے اس کے دل و دماغ میں کئی شعور کے دیے جلتے ہیں۔ جس سے وہ اپنے حریف کو بخوبی پہچان لیتا ہے۔ چاہے وہ رسم ورواج کے روایتی لباس میں آیے یا مذہب کے مقدس لباس میں لپٹا ہوا ہو۔ عورت جب عورت پر ظلم کرتی ہے اور شوہر کو دھوکہ دیتی ہو۔ مادہ پرستی اور لالچ میں آکر رشتوں کے تقدس کو پامال کر رہی ہو۔ خودکشی کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ایک ماں اپنی معصوم بیٹی کو قتل کرنے پر تلی ہوئی ہو۔ دولت کے حصول کے لیے دوسروں کا استحصال کرنا جائز سمجھتے ہوں۔ تو معاشرہ خاک ترقی کرے گا۔

سارا اور ڈاکٹر ولید حسن کی شادی ایک لحاظ سے عورت کا استحصال ہی تھا۔ جب بیمار ماں نے بیٹی سے پوچھے بغیر اس کا رشتہ طے کیا اور ڈاکٹر ولید حسن کی بہن نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ بھائی کو باتونی لڑکیاں پسند نہیں۔ پھر بھی ولید حسن کو مجبور کرتی رہی اور کامیاب ہوگئی۔

"معاف کیجیے گا۔ ڈاکٹر صاحب ہماری طرف بھی بالکل یہی حساب کتاب تھا۔ میں نے بھی بیمار ماں کی خواہش پوری کی ہے اور مجھے بھی نہ آپ میں اور نہ اس کاغذی رشتے میں کوئی دلچسپی ہے۔ جی جی بالکل کیوں کہ آپ کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ آپ کسی سنجیدہ اور بردبار انسان کی زندگی میں آنے کے لائق ہی نہیں۔ اب کے ولید حسن نے بھی زہر اگلا۔۔۔۔۔۔ آپ کے لیے تو آپ جیسا ہی کوئی پاگل دیوانہ مناسب تھا" سب نصیب کے کھیل ہیں یا پھر ہماری مجبوریاں " مجھے آپ سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنی۔ آپ بہانے بہانے سے یہ ذکر کیوں چھیڑ رہے ہیں اور کوئی پاگل ہو یا دیوانہ میں اپنے جیسا اپنے لیے خود ہی ڈھونڈ لوں گی۔ آپ کو میری فکر کی کوئی ضرورت نہیں"(۶)

ہمارے سماج میں رشتوں کے معاملے بہت بڑی بے احتیاطی کی جاتی ہے۔ لڑکی ہو یا لڑکا دونوں کو اختیار سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ پسند کی شادی کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلامی اصولوں کے مطابق باقاعدہ نکاح کیا جاتا ہے۔ تمام رسوم ٹھیک ٹھاک ادا کیے جاتے ہیں۔ لیکن رشتہ طے کراتے وقت لڑکی اور لڑکے کو تمام معاملات سے بے خبر رکھا جاتا ہے۔ یہ ایک طرح کا استحصال ہے۔ حق تلفی ہے۔ اسلام دونوں کو برابر مواقع فراہم کرتا ہے۔ لیکن بڑے اس معاملے میں جرم کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ زیادتی کر بیٹھتے ہیں اور اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ لڑکی اور لڑکے میں اکثر ہم آہنگی کا

فقدان پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک دوسرے پر بعد میں طنز کیا کرتے ہیں اسے رشتے اکثر پیدا نہیں ہوتے اور جلد جدائی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ گل ارباب نے اس موضوع کو بڑی شگفتگی کے ساتھ ناول میں سمونے کی سعی کی ہے۔

یہ سماجی مسئلہ دور جدید سے پہلے کا ہے۔ موضوعاتی حوالے سے جدید دور کے ناولوں میں بھی اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس مسئلے کا کوئی معقول حل ابھی تک نہیں نکل سکا اور نہ کسی نے اس کو اہمیت دی ہے۔ نظیر احمد نے فسانہ مبتلا کی دیباچے میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔ لکھتے ہیں:

"انھی دنوں مجھے یہ خیال ہوا تھا کہ مسلمانوں کی معاشرت میں عورتوں کی جہالت اور نکاح کے بارے میں مردوں کی آزادی دو بہت بڑے نقص ہیں میں نے ایک نقص کے رفع کرنے کی کوشش کی ہے تو دوسرے نقص کے رفع کرنے میں بھی کچھ کرنا ضروری ہے "(۷)

گل ارباب کا ناول عشق، عورت اور عنکبوت اس دور کے معاشرے کی اصلاح کا کام کرتا ہے اور اصلاح کے پیش نظر لکھا گیا ہے۔ انہوں نے اس ناول کے ذریعے مسلم معاشرے میں ہمت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ فرسودہ رسم ورواج سے اجتناب کا درس اس میں دیا گیا ہے۔ گل ارباب کی ذہانت یہ ہے کہ سب سے پہلے ان کی نگاہیں معاشرے میں عورتوں کے زبوں حالی پر پڑتی ہے۔ ان پر ہونے والے ظلم وستم کی عکاسی کرتے ہوئے سماج کو اصلاح کی دعوت دیتی ہے۔ ان کا کمال یہ ہے کہ انتہائی دانشمندی کے ساتھ کرداروں سے کام لے کر معاشرے اور سماج کی نہ ہموار پہلوں کو سلجھاتی ہے ۔خصوصاً مکافات عمل سے کام لے کر ہر برے کردار کو اس کی برائیوں کا نتیجہ قرار دیتی ہے اور اپنے کیے پر نادم کردار معاشرے اور سماج کو بہتر پیغام کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ سارا اور ولید حسن کا رشتہ مصلحت کا نتیجہ تھا۔اس لیے ولید حسن اپنی آپا کے فیصلے پر خوش نہیں تھا۔

"آپا" ایسے ہمسفر سے تو اچھا تھا کہ میں جیون کی ان الجھی ہوئی راہوں پر اکیلا ہی چلتا رہتا۔۔۔۔۔۔زندگی کی مسافت کیا کم تھی ؟ کہ آپ نے میرے پاؤں میں اس ان چاہے رشتے کی بیڑیاں بھی پہنا دی۔ آپ نے مجھے کس جرم کی سزا دی ہے ؟ یہ بد دماغ لڑکی تو ایک سزا جیسی لگ رہی ہے وہ اداس سا سوچے جا رہا تھا"(۸)

استحصالی رویے اور طبقاتی کشمکش کی عکاسی کرتے ہوئے گل ارباب نے سماج میں رشتوں کے معاملات کو درست سمت میں ڈالنے کی سعی کی ہے۔ ڈاکٹر ولید حسن کے جذبات اور احساسات اس بات کی غمازی کر رہے ہیں کہ رشتے طے کراتے وقت طرفین کو سوچنے اور سمجھنے کا موقع ضرور ملنا چاہیے تاکہ بعد میں اس قسم کے الجھاؤ کا سامنا نہ کرنا پڑے اور سماج میں موجود توہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی کے محل کو مسمار کیا جاسکے۔

عشق، عورت اور عنکبوت " میں گل ارباب نے سماج اور معاشرے میں رائج اس غلط تصور پر قلم آزمانے کی سعی کی ہے۔ خواتین جانتے ہوئے بھی شوہر کے اس حق کو ماننے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوتی کہ ایک بیوی سے جب بچے نہ ہو تو شوہر بچوں کی خواہش رکھتے ہوئے دوسری شادی کا تصور بھی کرے ۔تو پہلی بیوی آگ برسانا شروع کر دیتی ہے۔ گھر میں ہنگامہ کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالی نے مرد کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ چار شادیاں کر سکتا ہے شرط یہ ہے کہ وہ ان میں انصاف کے قابل ہو۔ بزرگوں نے اپنی پسند اور لڑکی کی پسند کو ایک ہی دن نکاح اور مہندی کے لیے طے کیا۔

"نکاح اور مہندی کا ایک ہی دن تھا۔ رواج کے مطابق پہلے نکاح کروانا تھا۔ پھر دولہا دلہن کو اکٹھے بٹھا کر مہندی کی رسم کرنی تھی۔ لیکن عین نکاح کے وقت بھری محفل میں چچانے کہا کہ میں اس شادی کے لیے تیار نہیں ہوں۔ مجھے ایک لڑکی پسند ہے۔ میں اسی سے شادی کروں گا"(۹)

عشق، عورت اور عنکبوت "کہ مرکزی کردار سارا کی فرضی ماں شگفتہ کی والدہ کو خورشید جو کہ ڈاکٹر ابراہیم کے چچا تھے۔ انہوں نے شگفتہ کی والدہ سے محبت کی شادی کی اور زرین خان ڈاکٹر ابراہیم کی خالہ تھی۔ اس کی شادی بھی خورشید سے ہوئی تھی۔ عین نکاح اور مہندی کی رسم کے موقع پر خورشید نے جب یہ کہا کہ میں صرف اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کروں گا۔ تو زرین خان نے یہ سن کر مہمانوں کے کمرے سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں خودکشی کرلی۔ اس طرح خوشی کی یہ محفل غم و علم میں تبدیل ہوگئی۔ خورشید کو لوگوں نے برا بھلا کہا۔ اسے گاؤں سے نکال دیا۔ وہ کرائے کے مکان میں رہتا تھا ۔ عیش و عشرت کی زندگی کا چسکا اسے لگا ہوا تھا۔ کچھ عرصہ تنگ دستی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھا۔ لیکن ایک دن اس نے شگفتہ کی والدہ کو گھر میں تنہا چھوڑ کر کہیں بھاگ نکلا۔ شگفتہ کی والدہ ان دنوں حاملہ ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر ابراہیم اس وقت کم عمر تھے۔ ان کے والد نے شگفتہ کی والدہ کو اپنے گھر رکھنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اس کی بیوی نے دھمکی دی۔ اگر شگفتہ کی والدہ اس گھر میں آگئی تو میں خودکشی کرلوں گی۔ اس کے دل میں اپنی بہن زرین خان کی خودکشی کی آگ جل رہی تھی۔ اس کا سارا الزام وہ شگفتہ کی والدہ کو دے رہی تھی اور شگفتہ کی والدہ پر ظلم و ستم کر کے وہ اپنے انتقام کی آگ کو بجھانا چاہتی تھی۔ شگفتہ جب پیدا ہوئی تو ڈاکٹر ابراہیم اس کا بہت زیادہ خیال رکھتا تھا۔ شگفتہ کی والدہ ابراہیم کو ہی دعائیں دیا کرتی تھی کہ اللہ تعالی آپ کو بڑا ڈاکٹر بنادے وقت گزرتا گیا شگفتہ کی والدہ فوت ہوگئی اور شگفتہ کو چچا اپنے گھر لے آیا لیکن چچی اور چچی زاد مومل اس پر بے تحاشہ ظلم کیا کرتے تھے۔

گل ارباب نے پسند کی شادی کے حوالے سے مردوں کی نفسیات اور سوتن کی کیفیت کو بڑے عمدہ انداز میں بیان کیا ہے۔ چونکہ سماج میں اس قسم کے غلط فیصلوں سے بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے ناول نگار نے اسے انتہائی صراحت کے ساتھ نمایاں کیا ہے۔ جو اہمیت کا حامل ہے۔ ڈاکٹر اظہار ان کے ناول کے بارے میں کہتے ہیں۔

"گل ارباب نے اس ناول میں جہاں دوسرے سماجی مسائل اجاگر کیے ہیں۔ وہاں عورت کا مکر و فریب بھی آشکارہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ عورت کا مکر وہ فریب معاشرے کے وجود کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔ یہ ایسی نفسیاتی الجھن ہے کہ معاشرے اور سماج کے سکون کو تہس نہس کر دیتا ہے۔ رشتوں کو پامال کر دیتا ہے۔ اتحاد اور اتفاق کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیتا ہے۔"(۱۰

"اگر وہ عورت اس گھر میں آئی تو میں زرین کو روز قیامت جواب دہ ہوں۔ وہ میرا گریبان پکڑ کر پوچھے گی کہ آپا تم نے میری قاتلہ کو اپنے گھر میں پناہ دی یہ بھی نہ سوچا کہ اس عورت کی وجہ سے میری زندگی تو چھن گئی ہے میری اخری بھی خراب اور بخشش بھی نہ ہو گی تم اس عورت کو سینے سے لگاؤ گی ؟ جس نے میرے سینے میں تیر مارا اور تیر بھی زہر میں بجھا ہوا"(۱۱)

شوہر بار بار اسے سمجھاتا کہ وہ عورت بے قصور ہے۔ ظلم کرنے والا تو تمہارا دیور اور میرا بھائی ہے۔ جس نے کئی زندگیوں سے خود غرض بن کر کھیلا اور اس مظلوم کو تنہا چھوڑ کر کہیں بھاگ گیا ہے۔ لیکن شوہر کے متواتر سمجھانے کے باوجود وہ اپنے ضد پر قائم رہی۔ خاندان والوں نے بھی اپنے حصے کا کردار ادا کیا۔ لیکن وہ یہ دھمکی دیا کرتی تھی کہ میں اس گھر سے چلی جاؤں گی یا خودکشی کروں گی۔ آخر کار جرگہ والوں نے فیصلہ کیا اور اسے سرونٹ کوارٹر میں ایک کمرہ دیا گیا اور وہ وہاں رہنے لگی۔

خورشید کی بھابی جان بوجھ کر انجان بننے کی کوشش کرتی رہی۔ اسے معلوم تھا کہ میری بہن سے زیادتی کرنے والا اس کا دیور ہے۔

خواہشات اور حسرتوں کی تکمیل کے غلط راستے گل ارباب اپنے ناول میں اس اہم سماجی مسئلے کو سمونے کی شعوری کوشش کی ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جو معاشرے اور سماج کے ہر فرد کے ساتھ وابستگی رکھتا ہے۔ خواہشات ارزوئیں تمنائیں اور ارمان ہر فرد اور ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتے ہی موجود رہتے ہیں۔ امید و سیم کو مد نگاہ کر کے لوگ زندگی گزارتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ ان خواہشات کی تکمیل کے لیے غلط راستوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ اس طرح معاشرے میں توازن کا فقدان پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ رشوت، سفارش سے کام لے کر مطلوبہ مقاصد کا حصول چاہتے ہیں۔ بعض غیر قانونی طریقے سے اپنی خواہشات کی تکمیل چاہتے ہیں۔ بعض لوگ دوسروں کی حق تلفی کر کے اپنے مقصد کی تکمیل چاہتے ہیں۔ القصہ مختصر یہ ایک الگ نوعیت کا سماجی مسئلہ ہے۔ اگرچہ خواہشات نیک بھی ہو سکتے ہیں۔ اچھے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن سماج میں لوگ اچھے یا برے خواہشات کی تکمیل بھی غلط انداز میں چاہتے ہیں اور جب وہ مطلوبہ آرزو کو تکمیلی شان دینے میں ناکام ٹھہرتے ہیں۔ تو بغاوت پر اتراتے ہیں۔ اس طرح معاشرے کے اتحاد و اتفاق اور امن و سکون کا شیرازہ بکھیر دیتے ہیں۔ سارا جو پہلی بار ڈاکٹر ولید حسن کے گھر میں داخل ہوتی ہے۔ نکاح کے بعد سارا زیادہ تر ماں کے ساتھ ہسپتال میں رہتی تھی۔ گھر کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس کے اندر خواہشات کی لہر سی دوڑ گئی۔

"ہائے رے میری قسمت! بھلا کوئی یوں رخصت ہوتا ہے میکے سے جیسے میں ہوئی؟ یا کوئی ایسے داخل ہوتا ہے سسرال میں جیسے میں داخل ہو رہی ہوں۔ بھلے یہ شادی میرے لیے بلکہ ہمارے لیے ایک جھوٹ ایک سزا یا فقط مصلحت ہے۔ لیکن پھر بھی کوئی تو ہوتا جو دلہن کے چھاؤ پورے کرتا رسمیں ہوتی ہے۔ ڈراموں فلموں میں کیسے سینز دکھاتے ہیں اس لمحے کے ۔۔۔۔۔۔"(۱۲)

ادب کی جڑے انسان زندگی کے ارتقا میں دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ ادب کی تاریخ دراصل عہد بہ عہد بدلتی ہوئی انسانی زندگی اور تہذیب کی تاریخ ہے۔ اطہر پرویز نے ادب اور زندگی کو ہم سفر قرار دیتے ہوئے اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے۔

"ادب میں انسانی زندگی کی تمنائیں اور آرزوئیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ جہاں زندگی پانی کے تالاب کی طرح ٹہرتی نہیں۔ بلکہ آبشار کے مانند متحرک اور صاف شفاف نظر آتی ہے۔ انسان نے جب تہذیبی اور تمدنی زندگی کی طرف قدم اٹھائے۔ تو ادب نے انسان کی مدد کی چنانچہ زندگی کے اس قافلے میں ادب کی حیثیت ہمسفر کی ہوئی رہی ہے اور راہبر کی بھی"(۱۳)

گل ارباب کے ناول عشق، عورت اور عنکبوت کا اگر اظہر پرویز کے پیش کردہ پیمانے پر جائزہ لیا جائے تو اس بات کا انکشاف ضرور ہوگا کہ انہوں نے پوری زندگی کی تمناؤں اور آرزوں کو اپنے ناول میں سمویا ہوا ہے۔ ادب کی عدالت میں عشق، عورت اور عنکبوت کا مقدمہ اگر پیش کیا جائے تو تمام تر دعووں اور ثبوتوں کے ساتھ اس کا رشتہ زندگی اور سماج سے جڑا ہوا ملے گا۔ اس میں زندگی کے مختلف رنگوں نے مل کر کوس قزاح کو تشکیل دیا ہے ۔احساسات اور جذبات اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ قارئین کے لیے بقع نور بنے ہوئے ہیں۔ اس ناول میں تمناؤں اور آرزوں کا ایک طرف گلا دبایا محسوس ہوتا ہے۔ تو دوسری طرف ان کی تکمیلی شان ظاہر کر کے زندگی کی حرارتوں میں اضافے کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ اس ناول میں ظلم اور بربریت کی انتہا دکھائی دیتی ہے۔ تو دوسری طرف ہمدردی، انسان دوستی اور رحم دلی، فراخ دلی اور اعلی ظرفی کی آفاقی اقدار زخموں پر مرہم لگانے کا کام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ دلوں میں آرزئیں جنم لیتی ہیں اور حالات کی ستم ظریفی ان خواہشات کو حسرتوں میں تبدیل کرنے کے درپہ نظر آتے ہیں۔ سماج میں ان عوامل کی آنکھ مچولی برقرار رہی ہے۔ عشق، عورت اور عنکبوت کی تشکیل ان سلسلوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

گل ارباب نے عشق، عورت اور عنکبوت کے ذریعے بہترین ادب تخلیق کیا ہے۔ جس میں سماجی شعور کے ساتھ ساتھ سنی التزام بھی پایا جاتا ہے۔ اس کا براہ راست تعلق زندگی اور اس کے مسائل سے الجھا ہوا ہے۔ اس میں خارجیت کے ساتھ ساتھ داخلیت کا عمل دخل خوب نظر آتا ہے۔ احساسات اور جذبات میں بھرپور توازن قائم رکھنے کی ایک کاوش ہے۔ جس سے ایک خوبصورت امتزاج کہنا بے جانہ ہوگا۔ عشق جو کہ ایک فطری جذبہ ہے اور اس کی بناء پر رب کائنات نے اس دنیا کو تخلیق کیا ہے۔ اس کی کوئی حد مقرر نہیں اور نہ اس کو نہ اپنے کا کوئی پیمانہ موجود ہے۔ عورت کائنات کی سب سے بہترین تخلیق ہے۔ اس کے بطن سے معاشرہ بنا ہے۔ سماج اور معاشرہ اس کے گرد گھوم رہا ہے۔ اسی عورت پر سماج میں ظلم وستم زیادتی جبر اور بربریت کیا جاتا رہا ہے۔ ناول نگار نے اسے عنکبوت کہا ہے۔ عورت مکڑی کے جال میں پھنسی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ یہی گل ارباب کے ناول کی خوبی ہے اور سماج کے ساتھ قریبی تعلق اور ربط کی نشاندہی ہے

گل ارباب نے معاشرتی اور سماجی برائیوں کے خاتمے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کا کمال یہ ہے کہ پہلے وہ سماجی برائیوں کی خوب پرچار کرتی ہیں اور پھر حالات اور موقع محل کے مطابق دھیرے دھیرے اور ملائم انداز میں ان برائیوں کا حل نکال لیتی ہے۔ برائیوں کے خاتمے کے لیے گل ارباب نے کبھی طنز کا سہارا نہیں لیا۔ بلکہ برائیوں کو اچھائیوں کے پیرائے ں میں مبدل کرنے کا ہنر جانتی ہے۔ ان کے برے کردار آگے جا کر اچھے کردار میں ڈھل جاتے ہیں۔ توبہ تائب ہو کر انسانیت اور اخلاق کے معیار کا دامن پکڑ لیتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ گل ارباب، تبصرہ امجد جاوید، عشق عورت اور عنکبوت، القریش پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۲۱ء، ص ۴

۲۔ ایضا، نایاب جیلانی، ص ۲۹

۳۔ پروفیسر احتشام حسین، افکار و مصائب، نسیم بک ڈپو لکھنؤ، ص ۳۳

۴۔ گل ارباب، عشق، عورت اور عنکبوت، القریش پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۲۱ء، ص ۱۵

۵۔ ایضا، ص ۱۷

۶۔ ایضا، ص، ۴۷

۷۔ ڈپٹی نذیر احمد، فسانہ مبتلا، مرتبہ صدیق الرحمن قدوائی دیباچہ، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۹

۸۔ گل ارباب، عشق، عورت اور عنکبوت، ص ۶۲

۹۔ ایضا، ص ۷۱

۱۰۔ ایضاً، ص ۷

۱۱۔ ایضاً، ص ۷۳

۱۲ ایضا، ص ۸۱

۱۳۔ ایضا، ص، ۷۶

☆☆☆

Tareekh- e- Adab- e Urdu
Quarterly Bilingual Interdisciplinary Research
Peer-Reviewed Journal
تاریخ ادب اردو